شبیر احمد خاں غوری

علاء الدین علی قوشجی

"المعارف" کی کسی سابقہ اشاعت میں "سیدی علی رئیس" کے عنوان سے اس نام کے مشہور ترک جہازراں کا ایک مختصر تذکرہ شائع ہوا تھا۔ اس کی تصانیف کے ضمن میں اس کی کتاب "خلاصۃ الہیئۃ" پر حسب ذیل تبصرہ نظر پڑا۔

"استاد کی ہدایت پر سیدی علی نے مشہور ترک ماہر فلکیات علی کوشجی کی کتاب فتحیہ کا ترکی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام خلاصۃ الہیئۃ رکھا۔ لیکن اس کتاب میں سیدی علی رئیس نے صرف ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ محمود بن عمر چغمنی اور قاضی زادہ رومی کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے ترجمہ میں بہت سے اضافے کیے ہیں۔"

اس تبصرے سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماضی سے ہمارا رشتہ بالکل منقطع ہو چکا ہے اور ہمارے اسلاف اور ان کی جگر کاویاں جو ہماری علمی و ثقافتی تاریخ کا قابلِ فخر کارنامہ ہیں، اب ہمارے لیے بھولی بسری کہانیاں بن چکی ہیں۔ مگر یہ کوئی پسندیدہ صورتِ حال نہیں ہے۔

"علاؤ الدین علی قوشجی" نہ صرف اسلامی علم الہیئت، بلکہ ہمارے کلامی ادب کی تاریخ میں بھی سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علم الہیئت میں ان کا رسالہ "قوشجی" (فتحیہ) اس صدی کے نصف اوّل تک عربی مدارس کے درس و تدریس میں داخل تھا اور ان کی "شرح تجرید" تو آج بھی یو۔پی کے اندر فاضل معقولات کے نصاب میں داخل ہے۔ اس کتاب کے سنِ تصنیف سے لے کر پچھلی صدی تک اس کے ساتھ شرح و تحشیہ کے ذریعہ جس قدر اعتنا و اہتمام برتا گیا، کم کتابوں کے ساتھ کیا گیا ہوگا۔

ایک ایسا عبقری اور نابغۂ روزگار یقیناً اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے باب میں محض مستشرقین کی "تحقیقاتِ انیقہ" ہی پر اعتماد اور اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ہمارے تاریخی ادب اور تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں ان کے متعلق جو منتشر معلومات محفوظ ہیں، ان کی نیز خود اس عظیم فاضل کی تصانیف کی مدد سے ان کی تندگی اور علمی کاوشوں کا تذکرہ مرتب کیا جائے۔

نام و نسب

قوشجی کا نام علی اور لقب علاؤ الدین تھا۔ ان کے پدر بزرگوار محمد، تیموری تاجدار الغ بیگ کے دربار میں "بازدار"

تھے۔ یہ سلاطین تیموریہ کے یہاں ایک اہم خدمت سمجھی جاتی تھی اور جو شخص اس خدمت پر مامور ہوتا تھا، اُسے "قوشجی" (سرکاری بازداروں کا محافظ) کہتے تھے [1]

قوشجی کا مولد و منشا سمرقند تھا، جو تیمور اور اس کے جانشینوں شاہرخ اور الغ بیگ وغیرہ کا دارالسلطنت تھا۔ آخری عمر میں وہ روم چلے گئے تھے۔ سالِ ولادت معلوم نہیں لیکن الغ بیگ نے، جس کا اپنا سالِ ولادت ۷۹۶ھ ہے، قوشجی کو "فرزند ارجمند" لکھا ہے، اس لیے وہ عمر میں یقیناً اس سے چھوٹے ہوں گے۔ الغ بیگ نے ۸۴۱ھ میں "زیچ سلطانی" (یا زیچ الغ بیگ) مکمل کی۔ اس کے دیباچے میں قوشجی کو نہ صرف "فرزند ارجمند" لکھا بلکہ اُسے نوجوان "در حداثت سن و عنفوانِ شباب" بتایا [2]

تعلیم اور اساتذہ

تاریخ نے مولانا قوشجی کی ابتدائی زندگی کی تفصیلات محفوظ نہیں رکھیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے پہلے علمائے سمرقند سے تعلیم حاصل کی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے کرمان تشریف لے گئے، جو اس زمانے میں دنیائے اسلام کے اہم علمی مراکز میں محسوب ہوتا تھا۔ مولانا قوشجی کے سمرقندی اساتذہ میں سے صرف دو فاضلوں کے نام معلوم ہیں۔ قاضی زادہ رومی اور بادشاہ الغ بیگ۔

(۱) قاضی زادہ کا نام موسیٰ اور لقب صلاح الدین تھا۔ وہ مملکت روم (ترکیہ) کے قاضی کے صاحبزادے تھے، اسی لیے "قاضی زادہ رومی" کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ ریاضیات اور فلکیات کے عالم متبحر تھے۔ قوشجی نے علومِ ریاضیہ کی تعلیم ان سے حاصل کی۔ بادشاہ الغ بیگ، جو خود بھی ماہر نجوم و ہیئت تھا، اپنی سطوتِ شاہانہ اور شوکتِ خسروانہ کے باوجود اس عبقری روزگار کے تلمذ کو اپنے لیے سرمایۂ فخر و مباہات سمجھتا تھا۔ چنانچہ "زیچ جدید سلطانی" (زیچ الغ بیگی) کے دیباچے میں استاد کی تعریف میں اس کا قلم جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ شفیق استاد نے بھی جب محمود بن عمر چغمینی کی "الملخص فی الہیئۃ" کی شرح لکھی تو اسے سعادت مند شاگرد ہی کے نام معنون کیا اور اس کی تعریف میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا بلکہ کمال خلوص و شفقت کے ساتھ اُسے دعائے بزرگانہ سے

---

[1] الشقائق النعمانیہ بحاشیہ تاریخ ابنِ خلکان، جلد اول ص ۱۷۷

[2] زیچ الغ بیگ مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری یونیورسٹی کلیکشن نمبر ۳۸ ورق ۲ ظ

[3] مخطوطہ زیچ الغ بیگ ورق ۴ ظ

[4] شرح چغمینی مطبوعہ مجتبائی دہلی، ص ۴

قاضی زادہ نے غالباً ۸۴۱ھ (ضمناً) سے قبل وفات پائی۔ ان کی وفات پر الغ بیگ نے اپنی رصدگاہ کا متولی قوشچی کو مقرر کیا، جن کی اعانت سے اس نے اپنی زیچ ۸۴۱ھ میں مکمل کی۔

(۲) بادشاہ الغ بیگ، جس پر نجم کی ہیئتی سرگرمیوں کا خاتمہ ہوگیا، شاہرخ کا بیٹا اور تیمور کا پوتا تھا۔ وہ اپنے دادا کے عہدِ حکومت ۷۹۶ھ میں قلعہ سلطانیہ میں پیدا ہوا۔ جب تیمور کو اس کی ولادت کی خبر ہوئی تو محمد طرغائی نام اور الغ بیگ (بڑا سردار یا امیر اعظم) لقب رکھا[۵] گیارہ سال کی عمر تھی جب تیمور نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور الغ بیگ کا باپ شاہرخ (۸۰۷ - ۸۵۰) جانشین ہوا۔ باپ کے زیرِ سایہ الغ بیگ پروان چڑھتا رہا، یہاں تک کہ ۸۲۳ھ میں باپ نے اسے ماوراء النہر کی حکومت سونپی اور الغ بیگ نے حسنِ تدبر اور کمال معدلت گستری کے ساتھ فرائض جہانبانی انجام دیے۔ ۸۵۰ھ میں شاہرخ کا انتقال ہوگیا اور الغ بیگ تیموری سلطنت کا بالاستقلال بادشاہ ہوا۔ لیکن ۸۵۳ھ میں اس کے ناخلف بیٹے عبداللطیف نے اسے قتل کرا دیا۔ قوشچی نے علومِ ریاضیہ کی تعلیم الغ بیگ سے بھی حاصل کی۔

سفرِ کرمان

لیکن مولانا قوشچی کی علمی تشنگی علم و حکمت کے ان دو سمندروں سے بھی نہ بجھ سکی۔ اس لیے اپنے شفیق استاد اور آقائے ولی نعمت الغ بیگ سے چھپ کر کرمان تشریف لے گئے۔ کرمان اس زمانے میں علم و ادب کا اہم مرکز تھا۔ وہاں انھوں نے اپنے شوقِ بے پایاں کی تکمیل کی اور اپنی شرح تجرید لکھنا شروع کی۔ اب وہ محض ایک طالب علم ہی نہیں تھے بلکہ خود ایک عالم بن چکے تھے۔ مگر ان کی تحقیقی و تصنیفی سرگرمیوں کی پوری تفصیل جو کرمان کے دورانِ قیام ظہور پذیر ہوئیں، تاریخ نے محفوظ نہیں رکھی۔ صرف دو کاموں کا پتہ چلتا ہے:

اوّل: شرح تجرید جدید: محقق طوسی کی "تجرید الکلام" نہ صرف شیعی علم کلام بلکہ فلسفہ و معقولات کا بھی ایک اہم شاہکار ہے۔ قوشچی سے پہلے کئی فضلائے روزگار اس کتاب کی شرح لکھ چکے تھے، جن میں سب سے اہم اصفہانی کی شرح ہے، جو قوشچی کی شرح سے امتیاز کے لیے "تجرید قدیم" کہلاتی ہے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ اہم اس (اصفہانی شرح تجرید قدیم) پر میر سید شریف کا حاشیہ تھا جو عرصہ تک روم کے عربی مدارس کے اعلیٰ نصاب میں شامل رہا۔ پھر بھی کتاب کے بہت سے مقامات تشریح طلب تھے۔ اس کمی کو مولانا قوشچی نے

---

[۵] الشقائق النعمانیہ، ص ۱۷۷ [۶] ایضاً، ص ۱۵۱

پورا کیا۔ چنانچہ اپنی شرح کے دیباچے میں فضلائے سابقین کی مساعی جمیلہ کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

"اس کے باوجود اس کتاب کے بہت سے مخفی رموز و اسرار علی حالہا باقی رہ گئے تھے .... لہٰذا میں نے اس بات کو مناسب سمجھا کہ اس کی ایسی شرح لکھوں، جو اس کے غوامض و اشکال کو پانی کر دے ..... (اس کے ساتھ) اس میں ان فوائد کا اضافہ کروں، جو میں نے باقی کتابوں سے چنے تھے، نیز ان زوائد کا بھی جن کا میں نے اپنی فکر کوتاہ سے استنباط کیا تھا۔"[۵۶]

دوسرا علمی و تحقیقی کارنامہ جو انھوں نے کرمان میں رہ کر انجام دیا، وہ اشکالِ قمر کے متعلق ایک رسالہ کی تصنیف تھی، اس مسئلہ کو قدما نے بہت پریشان کر رکھا تھا مگر قوشجی نے اپنے مقدور بھر اُسے حل کیا۔ جب وہ سمرقند آئے اور بادشاہ الغ بیگ سے چھپ کر کرمان جانے کی معذرت کی تو اس نے کہا۔ اچھا ہمارے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ قوشجی نے اس رسالے کے متعلق عرض کیا تو شفیق استاد نے کہا۔ لاؤ دیکھیں تم نے کہاں کہاں غلطی کی ہے۔ اس پر قوشجی نے کھڑے ہو کر اس رسالے کو پڑھا۔ الغ بیگ نے اس کاوش کو بہت سراہا۔[۵۷]

رصدگاہ کی تولیت

فضلائے اسلام نے علمِ ہیئت کے ساتھ جو اعتنا کیا، نیز علم دوست ملوک و امرا نے عملی علم الہیئت اور فلکی مشاہدات و ارصادات کی جس طرح فراخ دلی سے سرپرستی کی، ان سے پہلے ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ تاریخ اسلام کی پہلی رصدگاہ خلیفہ ہارون الرشید کے عہدِ خلافت (۱۷۰-۱۹۳ھ) میں برامکہ کی زیرِ سرپرستی نیشاپور میں قائم ہوئی اس رصدگاہ کا سربراہ محمد بن احمد النہاوندی تھا، جس نے اس رصدگاہ کے مشاہدات اور دوسری ہیئتی دریافتوں کو "الزیج المشتمل" میں مدون کیا۔[۵۹] دوسری رصدگاہیں خلیفہ مامون کے حکم سے ۲۱۵ھ کے قریب شماسیۂ بغداد اور جبل قاسیون (واقع دمشق) میں قائم کی گئیں۔[۶۰] اس کے بعد بھی مختلف زمانوں میں علم و فضل نواز ملوک و امرا کی سرپرستی میں یا افاضل ہیئت دانانِ اسلام کے ذاتی شوق سے قلمروِ اسلام کے مختلف حصوں میں رصدگاہیں تعمیر ہوتی رہیں۔[۶۱] یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی مسیحی) کے وسط میں ایلخانی تاجدار ہلاکو خاں کے ایما

---

۵۶ شرح تجرید جدید بر حاشیہ مواقف مطبوعہ استنبول، ص ۴ ۵۷ الشقائق النعمانیہ، ص ۱۷۸

۵۹ الزیج الکبیر الحاکمی، ص ۱۴۱ ۶۰ تاریخ الحکماء لابن القفطی، ص ۳۵۷

۶۱ ایک ترک محقق نے ان رصدگاہوں کی تعداد جو ۸۰۰ھ اور ۱۰۵۰ھ کے درمیان قائم کی گئیں اور جن کے فلکیاتی مشاہدات کی تفصیل

سے محقق طوسی نے مراغہ میں ایک عظیم الشان رصدگاہ قائم کی۔ اس رصدگاہ میں محقق طوسی اور ان کے رفقائے کار نے کوئی بارہ سال کام کیا اور ان بارہ سال کے صبر آزما مشاہدات کا نتیجہ "زیج ایلخانی" کی شکل میں شائع ہوا۔

عجم میں اس سلسلے کی آخری کوشش الغ بیگ نے کی۔ اس نے اپنے پایۂ تخت سمرقند میں ایک عظیم الشان رصدگاہ تعمیر کرائی۔ فصیحی خوافی نے "مجمل التواریخ" میں لکھا ہے کہ یہ رصدگاہ ۸۲۳ھ میں بننا شروع ہوئی، حسن روملو نے یہ سن ۸۲۲ بتایا ہے[۱۱] لیکن حسن روملو کی "احسن التواریخ" کا جو مخطوطہ نور عثمانیہ استانبول میں محفوظ ہے، اس میں تعمیرِ رصدگاہ کا سنِ آغاز ۸۲۴ھ دیا گیا ہے۔

حبیب السیر سے بھی یہ سال ۸۲۴ھ ہی معلوم ہوتا ہے[۱۲] اس رصدگاہ کی تعمیر کی تفصیلی کیفیت عبدالرزاق کاشی نے "مطلع السعدین" میں قلمبند کی ہے[۱۳] اس رصدگاہ میں جو آلات استعمال کیے گئے تھے، اس وقت تک بلکہ اس کے بعد عرصۂ دراز تک یورپ میں بھی نہیں بنے تھے۔ علمِ ہیئت کے مؤرخ آرتھر بری نے ان کی نفاست کی تعریف کی ہے۔ مشہور فرانسیسی مؤرخ گستاؤلی بان اس رصدگاہ کی عظمت کے بارے میں لکھتا ہے:

"الغ بیگ کو بھی جو سمرقند کا بادشاہ تھا اور جس کا زمانہ پندرھویں صدی عیسوی کا وسط ہے، علمِ ہیئت کا بے انتہا شوق تھا۔ اس نے ایسے کامل آلاتِ رصد بنوائے جو اس وقت تک نہیں بنے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کا ربع دائرہ اتنا بڑا تھا کہ اس کا نصف قطر قسطنطنیہ کی سینٹ صوفیہ کی بلندی کے برابر تھا۔ الغ بیگ گویا مدرسۂ بغداد کا اخیر شخص تھا۔ اس کی تحقیقات نے زمانۂ قدیم اور جدید کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا۔"[۱۴]

مستشرقین کا خیال ہے کہ الغ بیگ کی قائم کردہ رصدگاہِ سمرقند ہی عہدِ حاضر کی رصدگاہوں کی ترقی کا باعث تھی، چنانچہ شاخت اور بوسورتھ نے "لیگیسی آف اسلام" (میراثِ اسلام) میں یہی لکھا ہے[۱۵] اس عظیم الشان رصدگاہ کی دریافتوں پر مشتمل زیج کے بارے میں دولت شاہ سمرقندی "تذکرۃ الشعرا" میں لکھتا ہے:

"والیوم نزد حکما آں زیج متداول و معتبر است و بعضے آنرا بر زیج نصیری ایلخانی ترجیح می کنند۔"

حقیقت یہ ہے کہ زیجِ جدید گورگانی (زیجِ الغ بیگ) نے مشرق ہی میں نہیں مغرب میں بھی اپنے قدردان پیدا

دنیا کے مختلف کتب خانوں کے قابلِ رسائی مخطوطوں میں محفوظ ہے، ایک سو چار بتائی ہے اور رصدگاہوں کی تعداد اسی پر قیاس کی جا سکتی ہے۔

[۱۲] حبیب السیر، جلد سوم جزو اول، ص ۵۹ [۱۳] ایضاً، جلد سوم: ص ۱۵۱ [۱۴] مطلع السعدین، ص ۲۳۸، ۲۳۹

[۱۵] تمدنِ عرب، ص ۲۴۳۔

[۱۵] LEGACY OF ISLAM, P 487.

کر لیے تھے اور اس کے مشاہدات اور دیگر ہیئتی دریافتیں زیادہ تر قوشجی کی کاوشوں ہی کی رہین منت تھیں۔
بادشاہ الغ بیگ نے سب سے پہلے غیاث الدین جمشید کاشی کو اس رصدگاہ کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا۔ ان کی وفات کے بعد رصدگاہ کی سربراہی قاضی زادہ کو تفویض کی گئی جو بادشاہ کے استاد تھے۔ مگر رصدگاہ کا کام ختم ہونے سے قبل ہی وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے اور اب رصدگاہ کی تولیت قوشجی کو سونپی گئی جنھوں نے اس کام کو انجام تک پہنچایا۔ طاشکبری زادہ غیاث الدین جمشید اور قاضی زادہ کے ذکر کے بعد لکھتا ہے:

"اس کام کو مولانا علی قوشجی نے مکمل کیا۔ ان لوگوں نے ہیئتی ارصادات و مشاہدات قلمبند کیے جو زیج جدید الغ بیگ کے نام سے مشہور ہے اور یہ زیجوں میں سے سب سے بہتر ہے اور صحت کے بہت زیادہ قریب ہے"[۱۷]

خود بادشاہ الغ بیگ نے زیج کے دیباچے میں اپنے آخری انتخاب کی صحت اور "فرزند ارجمند" قوشجی کی حذاقت و مہارتِ فن کی تعریف کی ہے۔[۱۸] مگر الغ بیگ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہا۔ ڈھائی تین سال کے بعد اپنے بیٹے عبداللطیف کی سازش سے قتل ہوا (۸۵۳ھ)۔ اس کے جانشین اس کی طرح نجوم اور ہیئت کے قدردان نہ تھے۔ اس بے اعتنائی و قدر ناشناسی نیز ملک کے انتشار و اختلال نے قوشجی کو بددل کر دیا۔ انھوں نے ترکِ وطن کا مصمم ارادہ کر لیا اور ان سے حج کی اجازت مانگی۔ پھر بھی وہ ابوسعید گورگانی کے ابتدائی عہد تک سمرقند میں مقیم رہے، جو تیموری شاہزادوں کی برادرانہ خانہ جنگی اور مغربی ایران میں ترکمان قبائل کی خود مختاری کے بعد ۸۵۵ھ میں تیموری سلطنت کا مستقل بادشاہ بنا تھا۔ اس نے گیارہ سال تک کوشش کی کہ کسی طرح موروثی ملک (مغربی ایران) کو ترکمانوں سے واپس چھین لے مگر اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ آخر ۸۷۳ھ میں شہر اران کے قریب قراباغ کی لڑائی میں حریف کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور دو تین دن بعد اوزون حسن کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔[۱۹]

اس پیہم کامیابیوں سے اوزون حسن کا دماغ آسمان پر جا پہنچا اور اب وہ سلطان روم (محمد ثانی) سے مقابلہ کی سوچنے لگا، جس نے ۸۵۷ھ میں شہر قسطنطنیہ فتح کر کے "سلطان محمد فاتح" کا لقب اختیار کیا تھا۔ اس کا اندازہ "منشآت فریدوں بے" سے ہوتا ہے جو اس زمانہ کے مغربی ایشیا کے حریف حکمرانوں کے سیاسی اور ڈپلومیٹک مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ اوزون حسن نے شروع میں سلطان محمد فاتح کو جو خطوط بھیجے ہیں، ان کا لہجہ انتہائی نیاز مندانہ

---

۱۷ الشقائق النعمانیہ، جلد اول، ص ۱۷۸

۱۸ مخطوطہ زیج الغ بیگ، ورق ۲ ظ

۱۹ حبیب السیر، جلد سوم، جزو سوم، ص ۱۹۱

اور عاجزانہ ہے، مگر بعد میں نشۂ قوت و طاقت کے ساتھ رعونت و انانیت بھی بڑھتی گئی۔

بہر حال قوشجی جب تیموری تاجداروں کی قدرناشناسی سے مایوس اور بددل ہو کر حج کے بہانہ سے نکلے تو تبریز پہنچے۔ مسلمان حکمرانوں میں علوم و علما کی سرپرستی ہمیشہ سے لوازم جہانبانی میں داخل رہی ہے، ازون حسن بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھا۔ اس کا دربار بھی فضلائے عہد کی سرپرستی میں اپنے حریف تیموریوں سے سبقت لے جانے پر مصر تھا۔ براؤن نے ترک مورخ منجم باشی کی تاریخ "صحائف الاخبار" سے نقل کیا ہے کہ جب قوشجی تبریز پہونچے تو ازون حسن نے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ انھیں تقربِ خسروی سے نوازا[۵۲۱] طاشکبری زادہ بھی لکھتے ہیں:

"جب قوشجی تبریز پہنچے تو اس زمانہ میں وہاں کا حکمران حسن الطویل (ازون حسن) تھا، اس نے انھیں بہت زیادہ اعزاز و اکرام سے نوازا"[۵۲۲]

بدقسمتی سے اس بات کی تفصیل نہیں ملتی کہ مولانا قوشجی تبریز کب پہنچے اور وہاں کتنے دن قیام کیا۔ صرف دو واقعوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مولیٰ علاء الدین طوسی سے ملاقات کا اور دوسرا سفارتِ روم کا۔

۱۔ مولیٰ علاء الدین طوسی روم کے اجل علما میں سے تھے اور وہ اور مولیٰ خواجہ زادہ (مصنف تہافۃ الفلاسفہ) گویا سلطان محمد فاتح کے دربار کے علامہ تفتازانی اور میر سید شریف تھے۔ ایک علمی مقابلہ میں انھیں خواجہ زادہ سے زک اٹھانا پڑی اور وہ بددل ہو کر روم سے ترکِ وطن کر گئے اور تبریز پہنچے جہاں مولانا قوشجی سے ملاقات ہوئی۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ قوشجی کا ارادہ روم جانے کا ہے تو چونکہ وہ خواجہ زادہ کے زخم خوردہ تھے، انھوں نے قوشجی کو نصیحت کی کہ ایک بات یاد رکھنا، وہاں مولیٰ خواجہ زادہ سے بنائے رکھنا کیونکہ آدمی کا معلوم بھی اس کے نزدیک مجہول ہوتا ہے[۵۲۳]

۲۔ جس زمانہ میں قوشجی تبریز میں وارد ہوئے تو اس وقت ازون حسن اور سلطان محمد فاتح کے مابین کوئی معاملہ مابہ النزاع تھا۔ ازون حسن نے مولانا قوشجی میں معاملہ فہمی اور کاردانی کے اوصاف پائے اور یہی ایک کامیاب سفیر کا طرۂ امتیاز ہیں۔ لہٰذا اس نے اس امر خطیر کی انجام دہی کے لیے انھیں کا انتخاب کیا اور امر مابہ النزاع میں مصالحت کے لیے قوشجی کو سفیر بنا کر سلطان محمد فاتح کے پاس بھیجا۔ انھوں نے باحسن وجوہ اس

---

۵۲۱ ای۔ جی۔ براؤن۔۔۔ لٹریری ہسٹری آف پرشیا، جلد سوم، ص ۴۰۹ تا ۴۱۲

۵۲۲ الشقائق، ص ۱۷۸ ۵۲۳ ایضاً، ص ۱۷۸

فرض کو انجام دیا۔ سلطان محمد فاتح قوشجی کے علم و فضل سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور ازون حسن سے بھی کہیں زیادہ عزت و احترام سے نوازا۔ انھوں نے مولانا قوشجی سے کہا کہ وہ روم ہی میں سکونت اختیار کرلیں۔ وہ راضی ہوگئے مگر اتنی اجازت چاہی کہ پہلے سفارت کا جواب تبریز پہنچا آئیں[۲۳] اس کے بعد وہ تبریز گئے اور سفارت کا جواب ازون حسن پہنچایا۔

قوشجی روم میں

تبریز پہنچ کر جب قوشجی ازون حسن کو سفارت کی تفصیل بتا کر فارغ ہوئے تو کچھ دن بعد محمد فاتح کے خدام بھی آپہنچے اور سفر کی تیاری شروع کردی۔ قوشجی کے ہمراہ ان کے اہل و عیال اور دیگر متعلقین و منتسبین بھی تھے، جن کی مجموعی تعداد دو سو تھی۔ سلطان روم کے خدام ان سب کو بڑے تزک و احتشام سے لے کر روانہ ہوئے۔ انھیں ہدایات تھیں کہ ہر منزل میں ان پر ایک ہزار درم خرچ کریں۔ اس طرح کمال عزت و احترام کے ساتھ قوشجی قسطنطنیہ پہنچے[۲۴] قوشجی جب بارگاہِ سلطانی میں باریاب ہوئے تو سلطان محمد کی خدمت میں ایک رسالہ پیش کیا جسے انھوں نے اثنائے سفر میں فنِ حساب پر تصنیف کیا تھا۔

مولانا قوشجی روم کے علمی ماحول میں

اس وقت روم کی سلطنت دنیا کی عظیم ترین سلطنت تھی، سلطان محمد فاتح کا زمانہ (۸۵۵ - ۸۸۷ھ) ترکی کی تاریخ میں عظمت و شوکت کی معراج کمال ہے۔ ۸۵۷ھ میں انھوں نے قسطنطنیہ فتح کیا، جس کی تاریخ "بلدۃ طیبہ" ہے۔ سیاسی عظمت سے قطع نظر سلطان محمد فاتح کا زمانہ ترکی میں علومِ اسلامیہ کی تاریخ میں بھی "عہدِ زریں" کہلانے کا مستحق ہے۔ انھوں نے علم و علما کی سرپرستی میں بھی کشور کشائی سے کم کوشش نہیں کی۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد وہاں کے آٹھ گرجوں کو مدارس کے لیے وقف کیا۔ ان مدارسِ عثمانیہ کی صدارت بہت بڑا اعزاز سمجھی جاتی تھی، بالخصوص آیا صوفیہ کی صدارت۔ غالباً ترکی میں ان کے زمانہ سے زیادہ فحول علما کی اتنی بڑی تعداد کبھی پیدا نہیں ہوئی، جیسے مولیٰ خسرو بن فرامورز علاءالدین طوسی، خواجہ زادہ، احمد بن موسیٰ الخیالی، مصلح الدین قسطلانی، خطیب زادہ، علاءالدین عربی، مولیٰ عبدالکریم، حسن سالونی، مولیٰ مصنفک، سراج الدین چلپی، حمیدالدین حسینی، صلاح الدین، حسن چلپی، شمس الدین، خواجہ احمد وغیرہ۔ اگر سمرقند میں نجوم و ہیئت کا چرچا تھا تو قسطنطنیہ میں علمِ کلام کے ساتھ اعتنا کیا جاتا تھا اور انھیں دو فنون

---

[۲۳] الشقائق النعمانیہ، ص ۱۷۸ [۲۴] ایضاً

علوم میں مولانا قوشجی نے اپنی عبقریت کا ثبوت دیا تھا۔

سلطان محمد فاتح کا علم الکلام کی ترقی میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ان کے ایما سے مولیٰ علاء الدین طوسی اور خواجہ زادہ نے امام غزالی اور حکما کے مابین (یعنی کلام اور فلسفہ کے درمیان) جو اختلافات تھے، اُن پر محاکمہ کیا۔ امام غزالی نے "تہافت الفلاسفہ" کے اندر یونانی فلسفہ کے پرخچے اڑا دیے تھے، ابن رشد نے "تہافت التہافت" میں اس کا جواب دیا۔ سلطان محمد فاتح نے مولیٰ علاء الدین طوسی اور خواجہ زادہ سے فرمائش کی کہ امام غزالی اور حکما کے درمیان محاکمہ کریں۔ دونوں بزرگوں نے باحسن وجوہ حکم سلطان کی تعمیل کی۔ خواجہ زادہ نے "تہافت الفلاسفہ" کے نام سے چار مہینے میں اور علاء الدین طوسی نے "کتاب الذخیرہ" کے نام سے چھ مہینے میں۔ سلطان نے دونوں فاضلوں کو دس دس ہزار انعام میں دیے۔ انعام کے علاوہ خواجہ زادہ کو ایک بیش بہا خلعت بھی عطا ہوئی۔ اس سے مولیٰ علاء الدین طوسی دل برداشتہ ہو کر پہلے تبریز (جہاں اُن سے اور مولانا قوشجی سے ملاقات ہوئی تھی) اور پھر ماوراالنہر چلے گئے۔ انھوں نے "کتاب الذخیرہ" کے علاوہ اور بھی کتابیں لکھیں۔

خواجہ زادہ نے بھی "تہافت الفلاسفہ" کے علاوہ "شرح المواقف" اور مولا زادہ کی "شرح ہدایۃ الحکمۃ" پر حواشی لکھے۔ اور بھی کتابوں پر حواشی لکھے تھے، مگر موت نے مسودوں کو صاف کرنے کی مہلت نہ دی۔

اس عہد کے دوسرے مشاہیر علما و متکلمین میں مولیٰ خسرو بن فرامرز اور مولیٰ احمد بن موسیٰ الخیالی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ اوّل الذکر نے فقہ میں "الغرر" اور اس کی شرح "الدرر" کے نام سے اور اصولِ فقہ میں "مرقاۃ الوصول" اور اس کی شرح "مرآۃ الاصول" کے نام سے لکھیں۔ مولیٰ احمد بن موسیٰ الخیالی کا "شرح عقائد تفتازانی" پر حاشیہ ہمارے کلامی ادب میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے، مدتوں اس کے ذریعے طلبا کی ذہانت و ذکاوت کا امتحان لیا جاتا تھا اور اس صدی کے نصف اوّل تک درسِ نظامی کے اعلیٰ نصاب میں شمول تھا۔

اس زمانہ میں جن کلامی شاہکاروں کے ساتھ خصوصیت سے اعتنا کیا جاتا تھا، وہ "شرح عقائد تفتازانی"، "شرح عقائد جلالی"، "شرح طوالع الانوار"، "شرح المواقف" اور "شرح نیز حاشیہ شرح تجرید قدیم" تھے۔

ایک اور شاہکار جس کے ساتھ اس کے مصنف کی زندگی ہی میں اعتنا شروع ہو گیا تھا، ہمارے رئیس التذکرہ قوشجی کی "شرح تجرید جدید" تھی، جس پر محقق دوانی نے اور ان کے رد میں میر صدرالدین شیرازی نے حواشی لکھے۔ محقق دوانی کے حواشی جب شارح (مولانا قوشجی) کے پاس پہنچے تو انھوں نے انھیں بڑی فراخدلی کے ساتھ سراہا۔

علاء الدین علی قوشجی

یہ تھا وہ علمی ماحول جس میں قوشجی روم تشریف لائے ۔ ان کا آخری زمانہ یہیں بسر ہوا ۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھ
ثقافت بابت جون ۱۹۵۸ء میں راقم السطور کا مقالہ "علم الکلام کا آغاز و ارتقاء ترکی میں")

جب وہ قسطنطنیہ میں پہنچے تو علمائے شہر نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا ۔ ان کے گل سر سبد مولی خواجہ
تھے جو اس وقت دار السلطنت کے قاضی تھے[25] خواجہ زادہ مولانا قوشجی کو لے کر کشتی میں سوار ہوئے ۔ سمندر دیکھ
مؤخر الذکر کو خلیج ہرمز کا ہیبت ناک مد و جزر یاد آ گیا ، جس نے کسی زمانہ میں خواجہ حافظ کو سفر ہند کے لیے کشتی
میں بیٹھنے کے بعد اُتار لیا تھا ۔ انھوں نے اس کا نقشہ کھینچنا شروع کیا تو مولی خواجہ زادہ نے فلسفہ طبیعات
اپنے تبحر کے اظہار کے لیے مد و جزر کے اسباب و علل پر روشنی ڈالنا شروع کی[26] قوشجی نے گفتگو کا رُخ دوسری طرف موڑ
دیا اور علامہ تفتازانی اور میر سید شریف کے درمیان تیمور کے دربار میں جو مناظرہ ہوا تھا اور جس کے نتیجے میں
تفتازانی کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا ، قوشجی نے اس کا ذکر بڑی تفصیل سے شروع کیا اور چونکہ انھوں نے یہ تفصیل
اس مناظرے کے عینی شاہدوں سے سنی تھی ، لہٰذا وہ ان دونوں فحول کے درمیاں محاکمہ میں اپنی ایک مستقل رائے
رکھتے تھے ان کا خیال تھا کہ اس مناظرہ میں تفتازانی کا پلہ بھاری تھا ۔ مگر خواجہ زادہ بھی نو وارد عالم کے مقابلہ
اپنی انفرادیت و اہمیت کو نظر انداز کرنا نہیں چاہتے تھے ، لہٰذا کہنے لگے کہ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا ، مگر جب میں نے
اس مناظرہ کی تحقیق کی اور اس کی روئداد کا امعان نظر سے مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ حق میر سید شریف کی جانب ہے[27]
یہی نہیں بلکہ اپنی اصابت رائے کی توثیقِ مزید کے لیے کہا کہ میں نے اس تحقیق کو اپنی کتاب کے حاشیہ پر بھی لکھ
لیا تھا ۔ اس کے بعد جب وہ کشتی سے اُترے تو فوراً ایک ملازم سے اس کتاب کے لانے کے لیے کہا ۔ غالباً خواجہ
کی تالیفِ قلب کے لیے قوشجی نے اس حاشیہ کا مطالعہ کیا اور چونکہ مولی علاء الدین طوسی کی نصیحت یاد تھی

---

[25] ولما قدم قسطنطنیہ اول قدامہ ، استقبلہ علماء المدینۃ وکان المولی خواجہ زادہ اذ ذلک قاضیاً بہا
[26] فلما رکبوا السفینۃ ذکر المولی علی القوشجی ما شاھدہ فی بحر ہرمز من الجزر والمد فذکر
المولی خواجہ زادہ سبب الجزر والمد "
[27] "ثم ان المولی علی القوشجی ذکر مباحثہ السید الشریف مع العلامۃ التفتازانی عند الامیر تیمور خان ورجح جانب العلامۃ التفتازانی ، قال المولی خواجہ زادہ وانی کنت اظن الامر کذلک لما انی حققت البحث المذکور ظہر ان الحق فی جانب السید الشریف "

لہٰذا اس کی بڑی تعریف کی گئی[۲۸]

سفر کی تھکان دور کرنے کے بعد جب وہ سلطان محمد فاتح کی خدمت میں پہنچے تو پہلے تو انھوں نے علم حساب کے اندر جو رسالہ اثنائے سفر میں تحریر کیا تھا اور جس کا نام سلطان کے نام پر "رسالہ محمدیہ" رکھا تھا، سلطان کی خدمت میں پیش کیا[۲۹] ازاں بعد سلطان نے اُن سے خواجہ زادہ کے بارے میں پوچھا کہ انھوں نے ان کے علم و فضل کے متعلق کیا اندازہ لگایا۔ قوشجی نے برجستہ عرض کیا کہ نہ ایران میں ان کا نظیر ہے اور نہ روم میں ان کا مثیل۔ سلطان اس تبصرے سے بہت خوش ہوا اور اسے مزید موکد بنانے کے لیے کہا: "اور نہ ہی عرب میں ان کا کوئی ہمسر ہے۔"

اوپر ازون حسن کی بڑھتی ہوئی رعونت و انانیت کا ذکر آچکا ہے۔ قوشجی کو روم آئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ سلطان محمد سے معرکہ آرائی پر آمادہ ہوگیا۔ سلطان بھی اس کے فتنہ کو رفع کرنے کے لیے بنفس نفیس روانہ ہوا[۳۰] ساتھ میں جن وجوہ و اعیان کو لیتا گیا، ان میں مولانا قوشجی بھی تھے۔ سلطان تو معرکہ آرائی کے منصوبے سوچتا رہا اور قوشجی علم ہیئت پر ایک رسالہ مرتب کرتے رہے۔ ادھر سلطان کو اپنے حریف کے مقابلے میں فتح ہوئی، ادھر یہ رسالہ اختتام کو پہنچا۔ اور چونکہ یہ اختتام فتح کے مبارک موقعہ پر ہوا تھا، قوشجی نے اس رسالہ کا "فتحیہ" نام رکھا اور سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان فتح کی خوشی میں مسرور تھا، یہ رسالہ اسے بہت پسند آیا اور قسطنطنیہ واپس آیا تو اس کے صلہ میں قوشجی کو جامع ایا صوفیہ کے مدرسہ کی صدارت تفویض کی اور یہ سب سے بڑا اعزاز تھا جو اس زمانہ میں کسی عالم کو نصیب ہو سکتا تھا، اس کے ساتھ مولانا کا مشاہرہ دو سو درہم یومیہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ان کے متعلقین کے لیے بھی مناسب حال درماہ مقرر کیے۔

قیام روم کے زمانہ میں مولانا قوشجی کے زمانہ سے "فتحیہ" (رسالہ قوشجی) علاوہ اور کوئی صف اول کی تصنیف

---

[۲۸] فکشف عند ذلك فی حاشیة کتابی - فامر بعض خدامه باحضار ذلك الکتاب عند خروجه من السفینة، فطالع المولیٰ علی القوشجی تلك الحاشیة۔

[۲۹] "وحین قدم الیه اهدی الی السلطان محمد خان عند ملاقاته رسالته فی علم الحساب"

[۳۰] لیکن ترک مؤرخین نے اس جنگ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ بجائے سلطان کے اس کے بیٹے اور ازون حسن کے درمیان ہوئی تھی۔ پہلے دریائے فرات کے کنارے ملطیہ میں جس میں ازون حسن کی فتح ہوئی اور دوبارہ طرابزون کی ایک وادی میں جس کے اندر ترکوں کو فتح ہوئی۔ زمانہ ۸۷۲ - ۸۷۸ھ۔

ظہور میں نہیں آئی۔ شاید اس کی وجہ معاصرین کی حریفانہ چشمک اور منافست کا اندیشہ ہو جو مشرق میں علما کا شعار لاینفک رہا ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی توجہ یا تو جامع آیا صوفیہ کی صدارت کے فرائض کی انجام دہی پر مبذول رکھی یا خود کو حریف معاصرین کی ریشہ دوانیوں کا شکار بننے سے محفوظ رکھنے پر۔ ان معاصرین میں سب سے اہم شخصیت مولیٰ خواجہ زادہ کی تھی، جنھوں نے بارگاہِ سلطانی میں بھی غیر معمولی اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ قوشجی کو مولیٰ علاء الدین طوسی کی نصیحت یاد تھی اور انھوں نے اپنے متوقع حریف کی مدارت میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے ممکن حریفوں کے توڑ کے لیے بھی خواجہ زادہ کی ذات میں اپنے لیے ایک پشت پناہ ڈھونڈ لیا اور اس کے لیے ان سے سمدھیانہ قائم کر لیا۔

اس بات کی صراحت نہیں ملتی کہ مولیٰ قوشجی روم کب پہنچے، نہ اس بات کی کہ خواجہ زادہ سے رشتۂ مصاہرت کب قائم ہوا۔ بہر حال سلطان محمد فاتح اور اوزون حسن کی لڑائی کے بعد، جبکہ مولیٰ قوشجی نے "فتحیہ" لکھ کر سلطان کی خدمت میں پیش کیا، مولیٰ قوشجی کی زندگی میں کوئی اہم یا قابلِ ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا۔ کم از کم تاریخ و تراجم کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

طاشکبری زادہ نے ان کا سنِ وفات نہیں دیا۔ صرف حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں ان کے رسالہ "محمدیہ" کے سلسلے میں لکھا ہے۔ "المتوفی سنہ ۸۷۹ھ"۔ انڈیا آفس لائبریری کے مرتب فہرست نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے اور ان کا سالِ وفات ۸۷۹ھ مطابق ۱۴۷۴ء بتایا ہے۔ البتہ جائے وفات اور مدفن کے بارے میں طاشکبری زادہ نے لکھا ہے:

"توفی بمدینۃ قسطنطنیہ و دفن بجوار ابی ایوب الانصاری علیہ رحمۃ الباری"

شہر قسطنطنیہ میں وفات پائی اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس کے قریب دفن کیے گئے۔

اولاد و احفاد اور اعزہ و اقارب

علامہ قوشجی سمرقند سے تنہا نہیں نکلے، بلکہ پورا کنبہ لے کر نکلے تھے، چنانچہ جب وہ قسطنطنیہ پہنچے ہیں تو بقول طاشکبری زادہ ان کا یہ قافلہ دو سو نفوس پر مشتمل تھا۔ مگر ان کی اولاد و احفاد کا تفصیلی بیان نہیں ملتا۔ طاشکبری زادہ نے صرف دو صاحبزادیوں کا حوالہ دیا ہے۔ ایک صاحبزادی مولیٰ خواجہ زادہ کے صاحبزادے سے بیاہی گئی تھیں

الشقائق النعمانیہ جلد اول ص ۱۷۸   ایضاً

بسری صاحبزادی کے بیٹے مولیٰ قطب الدین سے خواجہ زادہ کی لڑکی کی شادی ہوئی تھی [۳۳]

تصانیف

۱۔ فتحیہ (رسالہ قوشجی) : یہ ہیئت کا ایک متنِ متین ہے جو نہ صرف اس صدی کے اوائل تک اس فن کے نصاب میں شامل رہا ہے، بلکہ فضلائے روزگار شرح و تحشیہ کے ذریعہ بھی اس کے ساتھ اعتنا کرتے رہے ہیں۔

۲۔ رسالہ محمدیہ : بقول طاشکبریٰ زادہ علم حساب میں جتنے رسالے لکھے گئے ہیں، یہ سب سے زیادہ نافع اور مفید ہے۔ [۳۴] قوشجی نے روم پہنچنے پر اسے سلطان محمد فاتح کی خدمت میں پیش کیا تھا [۳۵]

۳۔ زیج جدید گورگانی (زیج الغ بیگ) : بادشاہ الغ بیگ اسے اپنی تصنیف بتاتا ہے۔ مگر اس کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ یہ مولانا قوشجی کی معاونت سے مکمل ہوئی تھی [۳۶]

۴۔ شرح تجرید الکلام (جدید) : قوشجی کی تصانیف میں سب سے اہم ہے۔ اس کے وجود میں آنے کے بعد سابق کی جملہ شروح اور ان کے حواشی (حتیٰ کہ شرح تجرید قدیم پر میر سید شریف کا حاشیہ بھی) گوشۂ گمنامی میں جا پڑے۔ مکاتبوں کے ساتھ درس و تدریس یا شرح و تحشیہ کے ذریعہ اس قدر اعتنا کیا گیا ہوگا، جتنا اس کے ساتھ کیا گیا۔ اپنی اہمیت کے پیشِ نظر اس کتاب پر مزید تبصرہ ایک مستقل پیش کش کا متقاضی ہے۔

طاشکبریٰ زادہ نے مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ ان کی اور بھی تصانیف گنائی ہیں، جن میں سے انھوں نے اکثر غالباً اپنی تدریسی سرگرمیوں کے ضمن میں لکھی تھیں۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ قیام روم کے دوران علامہ قوشجی نے اپنی بیشتر توجہ مدرسہ آیا صوفیہ کی صدارت کے فرائض کی انجام دہی پر مبذول رکھی۔ مملکتِ روم کے سب سے بڑے مدرسے کے صدر کی حیثیت سے غالباً اعلیٰ نصاب کی کتابیں جیسے کشاف اور شرح مطالع اپنے ذمہ لی ہوں گی۔

۵۔ اس زمانہ میں "کشاف" ہی نہیں پڑھائی جاتی تھی، بلکہ اس کی شروح بھی داخلِ درس تھیں اور چونکہ قوشجی علامہ تفتازانی کے عقیدت مند تھے، لہٰذا وہ اپنے یہاں تفتازانی کی لکھی ہوئی شرح کشاف پڑھاتے ہوں گے۔ اس لیے اس پر حواشی بھی لکھے ہوں گے جو تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔ صرف کتاب کی ابتدا تک رہ گئے۔ اس کی طرف طاشکبریٰ زادہ نے "وله حاشية على اوائل شرح الكشاف للعلامة التفتازانی" [۳۷] کہہ کر نشاندہی کی ہے۔

---

[۳۳] الشقائق النعمانیہ، جلد اول، ص ۱۷۸ [۳۴] ایضاً [۳۵] ایضاً

[۳۶] مخطوطہ زیج الغ بیگ، ورق ۱ ظ [۳۷] الشقائق، ص ۱۷۸

۶۔ "مطالع الانوار" منطق و فلسفہ میں سراج الدین محمود بن ابی بکر ارموی کا متن متین ہے، جس کی قطب الدین رازی نے شرح لکھی تھی۔ اس شرح کو میر سید شریف خود شارح (قطب الدین رازی) سے پڑھنا چاہتے تھے۔ مگر انھوں نے اس سے معذوری ظاہر کی، البتہ اپنے شاگردِ رشید محمد بن مبارک شاہ کا پتہ بتا دیا اور کہا وہ تمھیں اس طرح پڑھائیں گے جس طرح میں پڑھاتا۔ محمد بن مبارک شاہ نے اس کتاب کو انھیں بڑی محنت سے پڑھایا۔ مگر اس سے زیادہ محنت سے میر سید شریف نے اُسے پڑھا۔ طاشکبری زادہ نے لکھا ہے کہ ایک رات محمد بن مبارک شاہ مدرسہ کے گشت کے لیے نکلے۔ ہر طالب علم کے حجرے کے قریب ٹھہر کر دیکھتے کیا کر رہا ہے۔ جب میر سید شریف کے حجرے کے قریب پہنچے تو دیکھا کوئی شرح مطالع پر تقریر کر رہا ہے۔ زیادہ غور کیا تو دیکھا کہ میر سید شریف بڑے جوش سے پڑھا ہوا سبق دہرا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ استاد کی تقریر پر تبصرہ بھی کرتے جا رہے ہیں:

"شارح نے یہ کہا: استاد نے یہ کہا اور میں یہ کہتا ہوں"[38]

محمد بن مبارک شاہ ہونہار شاگرد کی تقریر سن کر مارے خوشی کے رقص کرنے لگے۔ اس طرح "شرح مطالع" پر میر سید شریف کا حاشیہ مرتب ہوا اور اسی لیے اس نے جلد ہی منطق و معقولات کی ادبیاتِ عالیہ میں "شرح مطالع" کے ساتھ (جس پر یہ حاشیہ ہے) نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ غالباً مولیٰ قوشجی بھی یہ حاشیہ پڑھاتے تھے اور اس حاشیہ پر حواشی بھی مرتب کرتے جا رہے تھے مگر سابق (حواشی علی شرح الکشاف للتفتازانی) کی طرح یہ حاشیہ بھی مکمل نہ ہو سکا اور میر سید شریف نے "الحمد" کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، اس کی تحقیق تک ہی معرضِ تحریر میں آ سکا جیسا کہ طاشکبری زادہ نے لکھا ہے:[39]

(ان کا مباحث "حمد" سے متعلق ایک رسالہ ہے۔ میر سید شریف نے شرح مطالع پر اپنے حاشیہ میں ان مباحث کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، قوشجی نے اس رسالہ میں اس کی تحقیق کی ہے)۔

۷۔ عنقود الزواہر: یہ رسالہ علمِ صرف میں تھا۔ طاشکبری زادہ نے سنا تھا کہ یہ بھی قوشجی کی تصنیف ہے۔[40]

۸۔ رسالہ حل اشکال قمر: حرکتِ قمر کی توجیہ کا مسئلہ قدیم زمانہ سے ہیئت دانوں کو حیرت میں ڈالے ہوئے تھا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا جب قوشجی الغ بیگ سے چھپ کر کرمان مزید تعلیم حاصل کرنے گئے تھے اور وہاں سے لوٹ کر آئے تو الغ بیگ نے پوچھا ہمارے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ ۔ اس پر قوشجی نے بادشاہ کی خدمت میں یہ رسالہ پیش کیا۔[41]

ان تصانیف کے علاوہ انھوں نے مختلف علوم کے بیس متون ایک جلد میں جمع کیے تھے اور ان کا نام "محبوب الحمائل" رکھا تھا۔ اس کتاب کو وہ کبھی بھی اپنے سے جدا نہ کرتے حتیٰ کہ سفر میں بھی ایک غلام انھیں لے کر چلتا۔ مشہور تو یہ تھا کہ انھیں یہ مجموعہ حفظ تھا۔[42]

---

[38] الشقائق النعمانیہ، ص ۱۷۸ [39] ایضاً [40] ایضاً

[41] ایضاً [42] ایضاً